© rasailojaraid.com

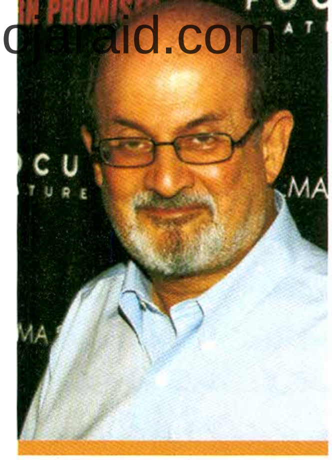

سلمان رشدی کا قصہ

خورشید احمد ندیم

انگریزی ادب کی بے بضاعتی اور انگریز قیادت کی بے بصیرتی کا یہ عالم میرے گمان میں نہیں تھا۔ انگریزی زبان پر اس وقت کا آنا کہ سلمان رشدی جیسا لکھاری اس کے ادب کا ایک بڑا نام قرار پائے، خود اس زبان کے لکھنے والوں کے لیے باعث شرم ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس پر سب سے زیادہ احتجاج خود انگریز ادیبوں کو کرنا چاہیئے۔ جب "شیطانی آیات" شائع ہوئی تو ایک انگریز نقاد آبروں واف (Auberon Waugh) نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا Mr Salman Rushdi deserves to be punished for bad English. (رشدی اپنی خراب انگریزی پر سزا کا مستحق ہے)۔ انگریزی کے ممتاز بھارتی لکھاری خوشونت سنگھ نے اس کتاب کے بارے میں لکھا: Even as a novel the Satanic Verses is not readable. (بطور ایک ناول بھی یہ کوئی قابل مطالعہ کتاب نہیں)۔ ایک ہندوستانی صحافی ارن شرما نے لکھا: "Third rate theme by a second rate author". (تیسرے درجے کی تھیم دوسرے درجے کا مصنف)۔ زبان و بیان کے اعتبار سے اس شہرت کا حامل قلم کار اگر انگریزی ادب کا ایک بڑا نام قرار دیا جا رہا ہے، تو یہ بات انگریزوں کے لیے باعث ندامت ہونی چاہیے۔ اس واقعے سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ برطانیہ کیوں ایک عالمی قوت کے منصب سے معزول ہوا۔ معلوم ہوتا ہے اس وقت بھی انگریزوں کی قیادت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں تھی جو عالمی حالات سے بے خبر یا اس پست ذہنی سطح کے مالک تھے کہ حالات کا درست تجزیہ نہیں کر سکے۔ آج مغرب میں رہنے والا کوئی شخص جو عالم اسلام اور مغرب میں بہتر تعلقات کا مخلصانہ داعیہ رکھتا ہے، وہ جان بوجھ کر ایسا قدم نہیں اٹھا سکتا، جس سے مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہوتا ہو یا ان کیلیے باعث تکدر ہو۔ تہذیبوں کے درمیان ہم آہنگی کی کوئی کوشش اس وقت تک نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی، جب تک اس کا داعی خود ان تہذیبوں کی مبادیات سے واقف نہ ہو۔ مسلمان معاشرے رسالت مآب ﷺ اور انبیاء کرام کی عزت و حرمت کے بارے میں کیسے حساس ہیں، جو شخص اس سے بے خبر ہے، وہ اس میدان میں پہلا قدم بھی نہیں اٹھا سکتا۔ ۱۹۸۹ء میں "شیطانی آیات" کی اشاعت سے لے کر کارٹونوں کے تنازع تک، جو واقعات ہوئے محض ان پر ایک نظر ڈالنے سے ہی یہ جانا جا سکتا ہے کہ آج مغرب اور اسلامی تہذیب میں اقدار کا جو فرق ہے، اس میں ایک طرف انسانی آزادی کی کوئی حد نہیں، حتیٰ کہ وہ چاہے تو پیغمبروں پر بھی سب و شتم کر سکتا ہے اور دوسری طرف یہ جسارت کسی طرح بھی قابل معافی نہیں۔ ٹونی بلیئر یا مغرب میں قیادت

رشدی افیئر

اسلام اور مغرب کے مابین کشیدگی کی تاریخ میں رشدی افیئر کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ رشدی افیئر سے مراد واقعات کا وہ سلسلہ ہے، جو سلمان رشدی کی کتاب دی سیٹانک ورسز (شیطانی آیات) کی اشاعت کے بعد شروع ہوا۔ یہ کتاب ۲۶ ستمبر ۱۹۸۸ء میں لندن سے شائع ہوئی۔ کتاب میں اسلام کی تاریخ اور مذہب اسلام کی محترم شخصیات کا ذکر توہین آمیز طریقے سے کیا گیا تھا۔ عالم اسلام میں اس کتاب کے خلاف سخت احتجاج نے اشتعالی انداز اختیار کیا اور بہت سے مسلم ممالک میں خود مسلمانوں کی جانیں اس اشتعال کی نذر ہوئیں۔ مسلمانوں کے اس غم و غصے کے برعکس مغرب میں اس کتاب کو بہت پذیرائی ملی۔ اسے انعام دیئے گئے اور سرکاری طور پر رشدی اور اس کی کتاب کی حمایت کی گئی۔ واقعات کا یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ حال ہی میں حکومت برطانیہ نے سلمان رشدی کو نائٹ کے خطاب سے نوازا ہے۔ واقعات کی یہ کڑیاں جو اسلام اور مغرب کے مابین منافرت کو بڑھاتی ہیں ''رشدی افیئر'' کے نام سے معروف ہیں۔ رشدی افیئر کے موضوع پر بے شمار کتابیں شائع ہو چکی ہیں، جن میں ان واقعات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ ان میں سے جو کتابیں رشدی افیئر کے عنوان سے لکھی گئی ہیں ان میں مندرجہ ذیل مغربی مصنفین قابل ذکر ہیں: لیزا آبی گانے سی (لندن ۱۹۸۹ء)، اوبیر ریفائیل (پیرس ۱۹۹۰ء)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے منصب پر فائز کسی شخص کے بارے میں یہ باور کرنا مشکل ہے، وہ اس فرق سے واقف نہیں۔ آج مغرب میں بیٹھے کسی آدمی کو مسلمانوں کے ردعمل پر حیرت ہے تو اس کی عقل کا ماتم کرنا چاہیے۔

ہم مسلمانوں کے لیے البتہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر کوئی ہمیں اشتعال دلانے کی کوشش کرے، تو اس پر ہمارا ردعمل کیا ہونا چاہیے۔ میرا خیال ہے کہ اس طرح کی صورت حال میں ہمیں چند باتیں پیش نظر رکھنی چاہئیں۔

۱۔ جس طرح مغرب کے لیے یہ ضروری ہے کہ مسلمان تہذیب سے مکالمہ کرتے وقت اس کی مبادیات سے واقف ہو، اسی طرح ہمیں بھی یہ جاننا چاہیے کہ مغربی تہذیب کی اساسات کیا ہیں اور مغرب میں جب کوئی آدمی ایک اقدام کرتا ہے تو اسے اس تہذیب کے پس منظر میں سمجھنا چاہیے۔ جناب جاوید احمد غامدی کے نزدیک ان کے اور ہمارے درمیان تہذیبی سطح پر تین بنیادی فرق ہیں: ایک یہ کہ مسلمان تہذیب کی اساس عبودیت ہے اور مغربی تہذیب کی اساس آزادی۔ ہماری تہذیب میں انسان اللہ کا بندہ ہے اور اس اعتبار سے وہ اپنے پروردگار کے احکام کا پابند ہے، مطلق آزاد نہیں۔ مغربی تہذیب انسان کو مطلق آزاد سمجھتی ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ مسلمان تہذیب حفظ مراتب پر کھڑی ہے۔ یہ ماں ہے یہ باپ ہے، یہ میاں ہے یہ بیوی ہے۔ ہر ایک کے حقوق و فرائض اس کے رشتے کے ساتھ وابستہ ہیں۔ مغرب میں سب برابر ہیں اور کوئی رشتہ کسی کو پابند نہیں کر سکتا۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ مسلمان تہذیب حفظ فروج کے اصول پر قائم ہے۔ جنسی

شیطانی آیات سے قبل سلمان رشدی اپنے متعدد ناولوں میں عالم اسلام کی شخصیات پر طنز و تمسخر کی وجہ سے شہرت حاصل کر چکے تھے۔ اس کتاب کی اشاعت کے چند ہی روز بعد اکتوبر ۱۹۸۸ میں لندن میں اس کتاب کے خلاف بہت بڑا مظاہرہ ہوا، جس میں ڈیڑھ لاکھ لوگوں نے شرکت کی۔ بعد میں بریڈفورڈ کے مظاہرے میں کتاب کے نسخے نذر آتش کیے گیے۔ اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد بھارت، پاکستان، مصر اور اسلامی دنیا میں احتجاجوں اور مظاہروں کا سلسلہ شروع ہوا۔ بھارت اور پاکستان میں ان مظاہروں کے دوران بہت سے لوگ زخمی اور شہید ہوئے۔ ۱۴/فروری ۱۹۸۹ میں آیت اللہ روح اللہ خمینی نے فتویٰ جاری کیا، جس میں مسلمانوں کو دعوت دی کہ اس کتاب کے مصنف اور ناشر کو موت کی سزا دیں۔ ۱۳/مارچ ۱۹۸۹ کو او آئی سی کے وزرائے خارجہ نے ریاض میں ایک اجلاس میں اس کتاب کو توہین آمیز قرار دیا۔ ۳/جون ۱۹۸۹ء کو حجۃ الاسلام ہاشمی رفسنجانی نے آیت اللہ خمینی کی وفات کے بعد ان کے فتویٰ کی توثیق کر دی۔

عالم اسلام کے ان احتجاجات کے برعکس ۸/نومبر ۱۹۸۸ کو برطانیہ میں اس کتاب کو وہٹ بریڈ کا انعام دیا گیا۔ برطانیہ کے مسلمانوں نے توہین مذہب کے برطانوی قانون کے تحت سلمان رشدی کو سزا دینے کا مطالبہ کیا تھا، لیکن برطانوی وزیراعظم مارگریٹ تھیچر نے اس مطالبے کو رد کر دیا۔ حکومت نے کہا کہ توہین مذہب کا قانون صرف عیسائیت کی توہین پر لاگو ہوتا ہے۔ ۲۲/جولائی ۱۹۸۹ء کو پیرس کی ایک عدالت نے اس کتاب کے خلاف مسلمانوں کی درخواست مسترد کر دی۔ ۲/مارچ ۱۹۸۹ء کو اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے بیان دیا کہ تمام مذاہب کا یکساں احترام ضروری ہے، تاہم آزادی رائے کی حرمت کو ترجیح حاصل ہے۔ ۴/مارچ ۱۹۸۹ء کو روم کے ہولی سی سے ایک بیان میں اس کتاب کے مندرجات کو ''توہین آمیز'' اور ''کفریہ'' قرار دیا گیا، تاہم بیان میں اس پر زور دیا گیا کہ مذہبی شعور کی حرمت اپنی جگہ لیکن اس کتاب کے مصنف کی جان کی حرمت بھی اتنی ہی اہم ہے۔ ۶/مارچ ۱۹۸۹ء کو جارج بش نے خمینی کے فتوے کی مذمت میں بیان جاری کیا۔ مغربی ممالک کی حکومتوں اور اہم شخصیات نے سلمان رشدی سے ہمدردی اور

تعلقات ایک اخلاقی ضابطے کے پابند ہیں، جس سے ایک خاندان کی بنیاد اٹھتی ہے اور ایک پاکیزہ معاشرت وجود میں آتی ہے۔ اس کے برخلاف مغربی تہذیب میں یہ تعلقات کسی سماجی ضابطے کے پابند نہیں، یہ ایک فرد کا نجی معاملہ ہے۔

ایک تہذیب کے تصورات جب عملی مظاہر کی صورت میں سامنے آتے ہیں تو وہ انسان کے محسوسات کو بدل دیتے ہیں۔ میں نے امریکہ اور برطانیہ میں اپنے مختصر قیام کے دوران میں اس بات کو بہتر طور پر سمجھا۔ اسی حفظ مراتب کے اصول کو دیکھیے: نیویارک کے ایک بڑے کلیسا میں، میں نے دیکھا کہ وہاں جگہ جگہ فرش پر سیدنا مسیح کا نام (Jesus) لکھا ہوا تھا اور لوگ بے تکلفی سے اس فرش پر چل رہے تھے۔ اسی طرح میں نے سالٹ لیک سٹی میں فٹ پاتھوں پر لکھا دیکھا (In Jesus we Trust) یعنی ہم حضرت مسیح پر ایمان رکھتے ہیں۔ اب کلیسا مسیحی لوگوں کی عبادت گاہ ہے، وہاں سیدنا مسیح کی توہین کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح اگر فٹ پاتھ پر یہ جملہ لکھا گیا تو کسی توہین کے پہلو سے نہیں بلکہ یہ اظہار محبت و عقیدت ہے۔ ہمارے تہذیبی پس منظر میں یہ بات ناقابل تصور کہ کسی پیغمبر کا نام کسی فرش پر لکھا ہو چاہے وہ مسجد ہی کا کیوں نہ ہو۔

۲۔ اخلاقی اور قانونی پہلو سے ہمیں احتجاج کا حق حاصل ہے، تاہم ہمیں اپنی اخلاقی برتری کو ہر صورت برقرار رکھنا چاہیے۔ آج ہماری اسمبلیوں نے قرارداد ہائے مذمت منظور کیں۔ برطانوی سفارت کار کو دفتر خارجہ طلب کر کے اسے اپنے جذبات سے آگاہ کیا گیا۔ اسی طرح ہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احتجاج کے دیگر راستے بھی اختیار کر سکتے ہیں جن کی اجازت ہمارا قانون اور ہماری دینی تعلیمات دیتی ہیں۔

۳۔ برطانیہ اور مغرب میں اس وقت کروڑوں مسلمان مقیم ہیں۔ ہمیں ان کے مفادات کو بھی مد نظر رکھنا ہوگا اور ایسے اقدامات سے گریز کرنا ہوگا، جن سے ان کے لیے وہاں مذہبی آزادی کے ساتھ زندگی گزارنا مشکل ہو جائے۔

۴۔ ہمیں اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ ایک واقعے پر کمیت کے اعتبار سے کیسا ردعمل ہونا چاہیے۔ اگر معاملہ ایک کتاب کا ہے، تو ہمیں اسی دائرے میں اپنے ردعمل کا اظہار کرنا چاہیے۔ سچ یہ ہے کہ ۱۹۸۹ء میں سلمان رشدی جیسے معمولی لکھاری کو ہمارے غیر معمولی ردعمل نے عالمی شہرت دے دی اور ہمارے بارے میں ایک منفی پروپگنڈے کی بنیاد فراہم کر دی۔ رسالت مآب ﷺ کے بارے میں یہ انسانی نہیں الٰہی فیصلہ ہے کہ ان کا ذکر قیامت کی صبح تک بلند رہے گا۔ اگر ہم سلمان رشدی کا فکری شجرہ نسب تلاش کریں تو یہ سلسلہ صدیوں پر دراز ہے۔ آج آفتاب محمدی اسی آب وتاب کے ساتھ لو دے رہا ہے اور اس آفتاب پر تھوکنے والے اپنا چہرہ خاک آلود کرنے کے بعد تاریخ کی دھول بن چکے ہیں۔

شرق وغرب میں گونجنے والی ایک صدا اشھد ان محمدا رسول اللہ اس طرح کے کرداروں کو پیغام اجل دیتی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ تاریخ کی مسلمہ حقیقتوں کا انکار خود ایک آدمی کو قابل ملامت بنا دیتا ہے۔ میرا تاثر ہے کہ ۱۹۸۹ء میں اگر ہم رشدی کے ساتھ یہی سلوک کرتے، تو آج وہ ایک ناقابل ذکر آدمی ہوتا، جسے سر کا خطاب کیا ملتا، آج لندن کے کسی بار میں بیٹھا گمنامی کی زندگی گزار رہا ہوتا۔

۵۔ اس نوعیت کا واقعہ ہمیں یہ موقع فراہم کرتا ہے کہ ہم دنیا کو یہ باور کرائیں کہ اسلام اللہ کا آخری دین ہے اور یہی انسانوں کی بھلائی کا ضامن ہے۔ ہم ایک حادثے کو چاہیں تو دعوت کا ایک موقع بنا سکتے ہیں۔ میرے آقا کا اسوہ یہ ہے کہ ان کا ہر فعل اور ہر قدم لوگوں کے دلوں پر اسلام کی دستک تھا۔ اگر کوئی قتل کے ارادے سے بھی آتا تو دل میں ایمان لیے رخصت ہوتا برطانوی حکومت کے ایک اقدام نے ہمارے دل پر زخم لگایا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میرا ردعمل ان دلوں میں محبت رسول کی شمع روشن کر دے، جہاں ابھی تک اندھیرا ہے۔ سلمان رشدی اور برطانوی حکومت کو سزا دینے کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا۔

بھی یہی موقف اختیار کیا۔ کفریہ کلمات کے بارے میں رشدی کا موقف یہ تھا کہ وہ کبھی مسلمان نہیں رہا اس لیے ارتداد کا مرتکب نہیں ہوا۔ تاہم ۱۹۹۰ء میں اس نے اسلام قبول کرنے کا دعویٰ کیا اور تھوڑے ہی عرصہ بعد اس نے پھر سے غیر مسلم ہونے پر اصرار کیا۔

رشدی افیئر کے بارے میں عالم اسلام اور مغرب ہی نے نہیں، بلکہ اسلامی ممالک اور مغربی ممالک میں بسنے والے مسلمانوں نے بھی مختلف رویے اختیار کیے۔ ان میں سے بہت سوں نے آیت اللہ خمینی کے فتویٰ سے اختلاف کیا اور آزادی رائے کی حمایت کرتے ہوئے ''شیطانی آیات'' کے خلاف احتجاج کو غیر ضروری قرار دیا۔ عالم اسلام میں اکثر لوگوں نے اس کتاب کو توہین آمیز قرار دیتے ہوئے سلمان رشدی کو واجب القتل قرار دیا۔ تاہم عالم اسلام اور مغربی ممالک میں بعض مسلمان ایسے بھی ہیں، جو سلمان رشدی کی اس کتاب کو توہین آمیز سمجھتے ہیں، تاہم اس کے خلاف احتجاج میں مسلمانوں نے اشتعال کا جو رویہ اختیار کیا اور اس کے نتیجہ میں اپنی ہی املاک اور جانوں کو ضائع کیا، وہ اس پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں اس بات کا افسوس ہے کہ رشدی افیئر کی وجہ سے اسلام اور مغرب کے درمیان بڑھتی ہوئی خلیج کو مغربی ممالک مسلسل نظر انداز کر رہے ہیں۔

ادارہ تحریر

مغرب میں اسلاموفوبیا کے خلاف مسلمانوں کا ایک مظاہرہ

© rasailojaraid.com